طلاق کا مسئلہ

سید جلال الدین عمری

اسلامی معاشرت پر جو بڑے بڑے اعتراضات کیے جاتے ہیں ان میں ایک اعتراض طلاق پر ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اسلام نے طلاق کا حق مرد کو دے کر عورت کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ اس کے لیے کسی معقول وجہ کا پایا جانا بھی ضروری نہیں ہے۔ یہ سراسر ایک طرفہ کارروائی ہے اور مرد کی مرضی پر اس کا انحصار ہے۔ وہ جب چاہے کسی معمولی سی غلطی پر بلکہ بغیر کسی غلطی کے بھی طلاق کے دو بول بول کر اسے الگ کر سکتا ہے۔ اس طرح اچانک ایک عورت کا مستقبل تاریک ہو جاتا ہے اور وہ بے سہارا زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔

طلاق کی ضرورت پیش آسکتی ہے

جس بھیانک شکل میں طلاق کا ذکر کیا جاتا ہے ایک تو یہ کہ مسلم معاشرہ میں اس کا کوئی وجود نہیں ہے، دوسرے یہ کہ طلاق بہت سے خانگی جھگڑوں اور پیچیدگیوں کا مناسب اور معقول حل ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ بعض اوقات عورت اور مرد کے لیے مل جل کر ازدواجی زندگی گزارنا مشکل ہو جاتا ہے اور وہ ایک دوسرے سے دامن چھڑانے کی فکر میں لگ جاتے ہیں۔ اس کے مختلف اسباب ہوتے ہیں۔ کبھی دونوں کے مزاج میں مناسبت نہیں ہوتی اس لیے دونوں کے دل ایک دوسرے کو قبول نہیں کرتے۔ کبھی ان کے درمیان اتنا زیادہ معاشی اور معاشرتی فرق ہوتا ہے کہ اس کا دور کرنا دشوار ہوتا ہے۔ کبھی دونوں کی ذہنی اور علمی سطح ایک نہیں ہوتی جس کی وجہ سے قربت کے باوجود دوری کا احساس ہوتا ہے۔ کبھی ایسی اخلاقی کمزوریاں سامنے آتی ہیں کہ آدمی ان کی

اصلاح سے بھی مایوس ہوتا ہے اور انھیں برداشت بھی نہیں کر پاتا۔ اس طرح کی صورتوں میں عقل اور سمجھ کا تقاضا یہی ہے کہ دونوں میں علیحدگی ہو جائے۔ اگر عیسائیت کی طرح طلاق کی اجازت نہ ہو اور دونوں کو ساتھ رہنے پر مجبور کیا جائے تو اس سے وہ مقاصد ہرگز پورے نہیں ہوتے جن کے لیے ان کے درمیان نکاح ہوا تھا۔ اس کے کئی نقصانات ہیں۔

ایک تو یہ کہ عورت، مرد کے لیے ایک بوجھ بن جائے گی اور وہ اس کے ساتھ بد سے بدتر سلوک کرے گا۔

دوسرے یہ کہ طلاق کے بعد عورت کا کسی ہم مزاج مرد سے رشتہ ہو سکتا ہے اور وہ بہتر زندگی گزار سکتی ہے۔ طلاق کا راستہ بند کر دینے کے بعد یہ امکان ختم ہو جائے گا۔

تیسرے یہ کہ اس سے گھر کی زندگی جہنم زار بن جائے گی اور دونوں کا ذہنی سکون ختم ہو جائے گا۔

چوتھے یہ کہ دونوں کی آپس کی کشمکش کی وجہ سے اولاد پر وہ توجہ نہیں دی جا سکے گی جو فی الواقع دی جانی چاہیے۔ اس سے ان کی صحیح تربیت نہ ہوگی اور وہ جھگڑالو ماں باپ کے جھگڑالو بچے بن کر ابھریں گے۔

طلاق کا حق کسے حاصل ہو؟

اب اس سوال کو لیجئے کہ طلاق کا حق کسے حاصل ہو؟ اس کے تین جواب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ یہ حق دونوں کو حاصل ہو، دوسرا یہ کہ یہ حق مرد کو ملنا چاہیے، تیسرا یہ کہ اسے عورت کے ہاتھ میں ہونا چاہیے۔

پہلی صورت پر عمل کرنے سے صاف بات ہے طلاق کی کثرت ہوگی اور خاندان کے ادارے کو سخت نقصان پہونچے گا۔ اس لیے کہ اگر طلاق کا اختیار عورت اور مرد میں سے کسی ایک کو ہو تو اس کا استعمال نسبتاً کم ہوگا اور اگر یہ حق دونوں کو مل جائے اور دونوں اسے اپنی آزاد مرضی سے استعمال کریں تو فطری طور پر اس میں زیادتی ہوگی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جس سوسائٹی میں طلاق کا تناسب کم ہوتا ہے اس کا خاندانی نظم مضبوط ہوتا ہے اور جہاں اس میں اضافہ ہوتا ہے خاندان

درہم برہم ہوکر رہ جاتا ہے۔ مغرب نے یہ اختیار دونوں ہی دے رکھا ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ نکاح ایک مذاق بن گیا ہے، عورت اور مرد میں سے جو چاہے اور جب چاہے اس رشتہ کو توڑ کر اپنی راہ لیتا ہے۔ طلاق کی کثرت سے خاندان اپنی تباہی کا مرثیہ پڑھ رہا ہے۔

دوسری صورت اسلام نے اختیار کی ہے۔ اس نے طلاق کا حق مرد کو دیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ مرد کو خاندان میں برتر حیثیت حاصل ہے۔ وہ قوام اور نگراں ہے۔ وہ بیوی کی مالی ذمہ داریاں برداشت کرتا ہے، اس کے ساتھ بچوں کی پرورش اور تعلیم و تربیت کا بوجھ اٹھاتا ہے، اس لیے وہی یہ فیصلہ کرسکتا ہے کہ بیوی کے ساتھ مل کر وہ ان ذمہ داریوں سے سبک دوش ہوسکتا ہے یا نہیں۔ قرآن کے الفاظ میں اسی کے ہاتھ میں عقدۂ نکاح (رشتۂ نکاح کا باندھنا اور ختم کرنا) ہوتا ہے۔ یہ اس کے ساتھ بڑی زیادتی ہے کہ جس بیوی کو وہ ناپسند کرے یا جس کا تعاون اسے حاصل نہ ہو اسے اپنے گھر کی ملکہ بنائے رکھنے پر مجبور کیا جائے۔

یہ نہیں کہا جاسکتا کہ مرد کو طلاق کا حق مل جائے تو اسے وہ من مانے طریقہ سے استعمال کرنے لگے گا، اس لیے کہ اس میں اس کا زبردست مالی نقصان ہے۔ بیوی کو اس نے جو مہر دیا ہے اس کا وہ مطالبہ نہیں کرسکتا۔ اگر نہیں دیا ہے تو طلاق کے وقت اسے دینا پڑے گا۔ شادی کے زیورات وغیرہ سے بھی وہ محروم ہو جائے گا۔ بیوی اسے لے جائے گی۔ اس مدت میں اس نے جو کچھ بیوی پر خرچ کیا ہے وہ بھی اسے واپس نہیں ملے گا۔ اس کے بعد اگر وہ دوسری شادی کرنا چاہے تو از سرنو اسے مہر دینا ہوگا۔ شادی کے اخراجات برداشت کرنے ہوں گے، اور اس کی معاشی ذمہ داریاں اٹھانی ہوں گی۔ اس کے ساتھ اگر پہلی بیوی کے بچے ہوں تو ان کی کفالت بھی اسے کرنی ہوگی۔ وہ لوگ خیالی دنیا میں رہتے ہیں جو مرد کے حق طلاق پر اعتراض کرتے ہیں، ان بے چاروں کو زندگی کے ان حقیقی مسائل پر سوچنے کی شاید فرصت ہی نہیں ملتی۔ لیکن جس شخص کے سامنے یہ سارے مسائل ہوں وہ ایک بیوی کو طلاق دے کر دوسری کے ذریعہ گھر آباد کرنے سے پہلے ان پر ضرور سوچے گا اور ہزار بار سوچے گا۔ تخریب کے بعد تعمیر کھیل نہیں ہے۔

اب تیسری صورت کو لیجیے۔ وہ یہ کہ حق طلاق عورت کو دیا جائے۔ اس سے طلاق کا غلط اور بے جا استعمال ختم نہ ہوگا۔ مرد حق طلاق کے نارو استعمال سے عورت کو پریشان

کر سکتا ہے تو اس امکان کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ اس حق کے ملنے پر عورت اس کا نامناسب استعمال کر کے مرد کو مصیبت میں ڈال دے۔

عورت کو یہ حق دینے میں بعض قباحتیں بھی ہیں۔

۱۔ مرد کے ساتھ بہت بڑی زیادتی اور ناانصافی ہے کہ عورت کی ساری ذمہ داریاں مرد اٹھائے اور حق طلاق عورت کے ہاتھ میں رہے۔

۲۔ طلاق سے مرد کا نقصان ہے۔ عورت کا کوئی نقصان نہیں ہے۔ اگر طلاق کا اختیار اسے حاصل ہو تو کوئی بھی بد اخلاق عورت جب چاہے مرد کو طلاق دے کر بچوں کو اس کے حوالے کر دے گی اور مہر اور زیورات لے کر گھر سے نکل کھڑی ہوگی۔ پھر نئے مہر اور نئے ساز و سامان کے ساتھ دوسرے مرد سے شادی کر لے گی۔

۳۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ مرد کے مقابلہ میں عورت زیادہ جذباتی ہوتی ہے۔ وہ کسی بھی وقتی جوش اور جذبہ کے تحت مرد سے علیٰحدگی اختیار کر سکتی ہے۔ اس سے طلاق کا تناسب بہت بڑھ جائے گا اور معاشرہ ایک نئے بحران سے دوچار ہو جائے گا۔

عدالت کے ذریعہ طلاق کی قباحت

اس کا حل یہ سمجھا جاتا ہے کہ عدالت کے ذریعہ طلاق ہو۔ میاں بیوی میں سے جو بھی الگ ہونا چاہے عدالت سے درخواست کرے۔ اگر عدالت ان اسباب سے مطمئن ہو جو علیٰحدگی کے لیے بیان کیے گئے ہیں تو ان کے درمیان تفریق کر دے ورنہ درخواست رد کر دی جائے۔

اس میں قباحت یہ ہے کہ زوجین میں سے جو بھی طلاق حاصل کرنا چاہے گا وہ عدالت کو مطمئن کرنے کے لیے فریقِ ثانی کی حقیقی کمزوریاں اور زیادتیاں ہی نہیں بیان کرے گا بلکہ وقت ضرورت اس پر سخت سے سخت اور سنگین الزامات بھی عائد کرے گا۔ اس پر یقینی طور پر جوابی الزامات کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ اس سے دونوں کی سیرت اور اخلاق اس قدر مجروح ہوں گے کہ سوسائٹی میں ان کا وقار باقی نہیں رہے گا اور وہ اپنے ہاتھوں اپنی ہی نہیں پورے خاندان کی رسوائی اور جگ ہنسائی کا سامان کریں گے۔

پھر عدالت کا جو حال ہے اس سے ساری دنیا واقف ہے۔ وہاں سے کوئی فیصلہ حاصل کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس پوری مدت میں وہ کیسے ایک ساتھ زندگی گزاریں گے بلکہ ایک دوسرے کو برداشت کریں گے۔

اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اگر عدالت سے علیٰحدگی نہ ہو تو میاں بیوی دونوں بہ جبر و اکراہ ایک دوسرے سے بندھے رہیں گے۔ اس سے دونوں کی جان ضیق میں پڑی رہے گی۔ ان کے لیے خوش گوار زندگی کا تصور بھی مشکل ہوگا۔

بعض اخلاقی ہدایات

اسلام انسان کا جو ذہن اور مزاج بناتا ہے اور جس طرح اس کی تربیت کرتا ہے، اس میں طلاق کی نوبت کم ہی آسکتی ہے اور یہ خطرہ بس امکان ہی کے درجہ میں رہتا ہے کہ آدمی محض جنسی لذت اور حظِ نفس کے لیے طلاق کی تلوار چلاتا پھرے۔ اسلام نے اس سلسلہ میں جو اخلاقی ہدایات دی ہیں ذیل میں ان کا ایک ہلکا سا تصور دیا جا رہا ہے۔

نکاح ایک سنجیدہ معاہدہ ہے

اسلام کے نزدیک نکاح کے ذریعہ عورت اور مرد چند دن کے عیش یا تفریح کے لیے نہیں ملتے بلکہ وہ زندگی بھر کی رفاقت کا عہد باندھتے ہیں۔ اس عہد کو قرآن نے 'میثاقِ غلیظ' سے تعبیر کیا ہے (النساء: ۲۱) جو شخص سنجیدگی سے یہ عہد کرے وہ اسے آسانی سے توڑنے کی ہمت نہیں کر سکتا۔ یہ مذاق وہی کر سکتا ہے جو اس کی اہمیت کو نہ محسوس کرتا ہو اور بے شعوری کے عالم میں اتنا بڑا عہد کر بیٹھا ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح اور طلاق کے معاملہ میں مذاق کو ناروا قرار دیا ہے۔ اس لیے کہ یہ اس سنجیدگی کے منافی ہے جو اس سلسلہ میں ہونی چاہیے حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا۔

ثلاث جدّھن جدّ	تین چیزیں ایسی ہیں کہ ان میں سنجیدگی تو
وھزلھنّ جدٌّ النکاح	سنجیدگی ہے ہی۔ مذاق بھی سنجیدگی ہی

والطلاق والرجعۃ[1] سمجھا جائے گا۔ وہ ہیں نکاح، طلاق اور اس سے رجوع۔

امام خطابی کہتے ہیں۔ اس پر علماء کا عام اتفاق ہے کہ اگر کوئی عاقل و بالغ صراحت کے ساتھ طلاق دے تو طلاق ہوجائے گی۔ اسے وہ مذاق قرار دے کر کالعدم کرنا چاہے تو اس کی بات نہیں مانی جائے گی۔ بعض علماء نے اسے اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ مذاق کے ہم معنی کہا ہے۔ اس لیے کہ اسے جائز کردیا جائے تو اس بات کا خطرہ ہے کہ ایک شخص نکاح کرنے، طلاق دینے اسی طرح غلام کو آزاد کرنے کے بعد یہ کہہ کر اپنے اقدام کو واپس لے سکتا ہے کہ وہ مذاق کررہا تھا۔ اس سے احکام الٰہی پر عمل ہی ختم ہوجائے گا۔ اس لیے حدیث میں جن باتوں کا ذکر ہے ان کے بارے میں زبان سے کسی فیصلہ کے اظہار کے بعد ان پر عمل لازم آجائے گا۔[2]

طلاق سخت ناپسندیدہ ہے

اسلام نے وقت ضرورت طلاق کی اجازت ضرور دی ہے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی بتادیا ہے کہ یہ کوئی مستحسن فعل نہیں ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ ایک سخت ناپسندیدہ اقدام ہے، اس لیے ناگزیر ضرورت اور انتہائی مجبوری ہی میں یہ اقدام ہونا چاہیے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ابغض الحلال الی اللہ عزوجل الطلاق[3] — اللہ عزوجل کے نزدیک حلال چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز طلاق ہے۔

حضرت محارب بن دثارؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں۔

ما احل اللہ شیئا ابغض الیہ من الطلاق[4] — اللہ نے کوئی ایسی چیز حلال نہیں کی جو طلاق سے زیادہ اسے ناپسند ہو۔

---

[1] ابوداؤد، کتاب الطلاق، باب فی الطلاق علی الہزل۔ ترمذی، ابواب الطلاق واللعان، باب ماجاء فی الجد والہزل فی الطلاق۔ [2] معالم السنن: ۳/۲۴۳ [3] ابوداؤد، کتاب الطلاق، باب فی کراہۃ الطلاق ابن ماجہ، ابواب الطلاق [4] ابوداؤد، حوالہ سابق

اسی مفہوم کی ایک روایت حضرت معاذؓ سے مروی ہے۔ گو یہ سنداً کم زور ہے لیکن اوپر کی روایات کی تائید کرتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

يا معاذ ما خلق الله شيئا	اے معاذ! اللہ نے سطح زمین پر کوئی ایسی
على وجه الارض احب	چیز نہیں پیدا کی جو غلام کو آزاد کرنے سے
اليه من العتاق ولا خلق	زیادہ اسے پسند ہو۔ اسی طرح اس نے
الله شيئا على وجه الارض	روئے زمین پر کوئی ایسی چیز نہیں پیدا
ابغض اليه من الطلاق [1]	کی جو طلاق سے زیادہ اسے مبغوض ہو۔

ایک طرف اسلام نے مرد کے ذہن میں یہ بات بٹھائی کہ طلاق ایک ناپسندیدہ عمل ہے دوسری طرف عورت کو ہدایت کی کہ وہ بلا وجہ مرد سے طلاق کا مطالبہ نہ کرے۔ حضرت ثوبانؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

ايما امرأة سالت زوجها	جو عورت بغیر کسی مجبوری کے شوہر سے
طلاقا فى غير ما بأس فحرام	طلاق کا مطالبہ کرے تو اس پر جنت
عليها رائحة الجنة [2]	کی خوشبو (بھی) حرام ہے۔

عورت کی کم زوریوں کو برداشت کیا جائے

اجتماعی زندگی کسی فرد واحد کی مرضی کے تابع نہیں ہوتی۔ آدمی کو اجتماعی مفاد کے لیے اپنی رائے اور مرضی کو قربان کرنا پڑتا ہے ازدواجی زندگی میں بھی اس طرح کے مواقع آتے رہتے ہیں جب کہ میاں بیوی کو ایک دوسرے کی رائے اور رجحان سے اختلاف ہوتا ہے۔ اگر ان میں سے کسی کو کوئی بات پسند نہ آئے تو اس کا حل یہ نہیں ہے کہ جھٹ سے طلاق دے کر اس پاکیزہ رشتہ ہی کو ختم کر دیا جائے۔ بعض اوقات آدمی پر جذبات اور خواہشات کا غلبہ ہوتا ہے وہ اپنا صرف فوری فائدہ دیکھتا ہے، بڑے اور اہم مفادات اس کی نگاہ سے اوجھل ہو جاتے ہیں اسلام

---

[1] دارقطنی مع التعلیق المغنی، کتاب الطلاق مطبوعہ دہلی ص ۴۲۹ [2] مشکوٰۃ، کتاب النکاح، باب الخلع والطلاق بحوالہ احمد، ترمذی، ابو داؤد، ابن ماجہ، دارمی۔

کی تعلیم یہ ہے کہ خاندان کے وسیع تر مصالح اور اہم مفادات کے پیش نظر معمولی غلطیوں کو برداشت کرنا چاہیے، اور محبت اور حسن سلوک کا رویہ جاری رکھنا چاہیے۔ فرمایا۔

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ	اور ان کے ساتھ بھلے طریقہ سے زندگی
فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ	بسر کرو۔ اگر تم ان کو ناپسند کرو تو
تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّيَجْعَلَ	ہوسکتا ہے کہ ایک چیز تم کو ناپسند ہو
اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ۝	اور اللہ نے اس میں بہت سی بھلائی
(النساء : ۱۹)	رکھ دی ہو۔

اصلاح کی کوشش کی جائے

عورت نافرمان ہے، سرکشی پر آمادہ ہے، اطاعت نہیں کر رہی ہے تو بھی اسلام فوراً طلاق کا حکم نہیں دیتا بلکہ اس کے لیے اس نے مرد کو خصوصی اختیارات دئیے ہیں تاکہ وہ نرمی اور سختی سے اصلاح کی بھرپور کوشش کرے، گھر کے اختلافات گھر ہی کے اندر رہیں اور طلاق کی نوبت نہ آئے۔ فرمایا

وَالّٰتِىْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ	جن عورتوں سے تمہیں سرکشی کا اندیشہ
فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ	ہو تم انھیں سمجھاؤ، خواب گاہوں میں
فِى الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ	ان سے الگ رہو (اس پر بھی اصلاح نہ ہو
فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا	تو) مارو۔ اگر وہ تمہاری بات مان لیں تو
عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ	ان پر زیادتی کے لیے بہانے نہ تلاش
عَلِيًّا كَبِيْرًا ۝ (النساء: ۳۴)	کرو۔ بیشک اللہ سب سے اونچا اور بڑا ہے۔

طلاق سے رکنے کے لیے عورت اپنے حقوق چھوڑ سکتی ہے

ایک طرف اسلام نے مرد کو اس بات کی بار بار تاکید کی ہے کہ وہ عورت کے ساتھ بہتر سے بہتر سلوک کرے اس کے حقوق پہچانے، اس کی غلطیوں کو نظرانداز کرے اور اس کی خوبیوں کو

دیکھے، دوسری طرف عورت سے کہا کہ معمولی معمولی بات پر طلاق کا مطالبہ نہ کر دیٹھ جائے اگر وہ دیکھے کہ شوہر اس سے بے رخی برت رہا ہے تو اپنے حقوق کے مطالبہ اور اس پر اصرار کی جگہ حقوق کے چھوڑنے کے لیے بھی تیار رہے۔ شوہر سے صف آرائی کی جگہ صلح صفائی کی امکانی کوشش کرے۔ اگر عورت اپنے کچھ حقوق سے دست بردار ہو کر مرد کی ذمہ داریوں کو کم کر دے تو اس میں مرد کو سبکی یا توہین نہیں محسوس کرنی چاہیے۔ عورت اس کی مدد کرے اور وہ اس سے فائدہ اٹھائے تو یہ اس کے شان کے منافی نہیں ہے۔ فرمایا۔

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا	اگر کسی عورت کو اپنے شوہر سے بدسلوکی
نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ	اور بے رخی کا اندیشہ ہو تو اس میں کوئی
عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا	حرج نہیں کہ دونوں آپس میں کسی طرح
صُلْحًا ۭ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۭ وَاُحْضِرَتِ	صلح کر لیں صلح بہر حال بہتر ہے نفس
الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ۭ وَاِنْ تُحْسِنُوْا	تنگ دلی کی طرف جلد مائل ہو جاتے ہیں
وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا	اگر تم لوگ احسان سے پیش آؤ اور تقویٰ
تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ○	اختیار کرو تو اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے
(النساء ۱۲۹)	ہو اس سے باخبر ہے۔

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اگر عورت اس بات کا خطرہ محسوس کرے کہ مرد کے اندر اس سے نفرت اور دوری پیدا ہو رہی ہے تو اسے نان ونفقہ، لباس اور شب باشی کے جو حقوق حاصل ہیں وہ پورے کے پورے بھی چھوڑ سکتی ہے اور ان میں کمی بھی کر سکتی ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں کہ مرد اسے مان کر صلح کر لے، وہ شوہر پر خرچ کر سکتی ہے وہ اسے قبول کر سکتا ہے قرآن نے کہا ہے 'والصلح خیر' یعنی دونوں کے درمیان تفریق ہونے سے صلح ہو جانا بہتر ہے[1]۔

دونوں طرف کے ذمہ دار اصلاح کی کوشش کریں

بعض اوقات چھوٹی چھوٹی باتوں پر اختلافات شروع ہوتے ہیں اور بڑھتے بڑھتے ان

[1] تفسیر ابن کثیر ۱/ ۵۶۲ - ۵۶۱

میں شدت آجاتی ہے پھر میاں بیوی کے درمیان ایک طرح کی دوری اور حجاب پیدا ہو جاتا ہے اور وہ اس قابل نہیں رہتے کہ جھگڑوں کو فراموش کر کے خود سے صلح صفائی کرلیں۔ قرآن نے ہدایت کی کہ جہاں دونوں آپس میں اختلافات حل نہ کر سکیں تو دونوں طرف کے ایک ایک فرد مل کر سر جوڑ کر بیٹھیں اور ان اختلافات کو حل کرنے کی کوشش کریں۔ اگر خلوص ہو تو اللہ کی مدد حاصل ہوگی اور جو مسائل ناقابل حل سمجھے جاتے ہیں ان کے بھی حل کی کوئی صورت نکل آئے گی۔

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا	اگر تمہیں میاں بیوی کے درمیان جھگڑے
فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ	کا ڈر ہو تو ایک حکم مرد والوں کی طرف سے
وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ	اور ایک عورت والوں کی طرف سے مقرر
يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ	کرو۔ وہ دونوں اصلاح کرنا چاہیں تو اللہ
بَيْنَهُمَا ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا	ان کے درمیان موافقت کرا دے گا بیشک
خَبِيْرًا ۝ (النساء: ۳۵)	اللہ جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہے۔

طلاق کے سلسلہ میں دو اصلاحی اقدامات

ان ساری کوششوں میں ناکامی کے بعد طلاق کا موقع آتا ہے۔ اس میں اسلام نے حسب ذیل اصلاحی اقدامات کیے۔

۱۔ عرب میں طلاق اور اس سے رجوع کی کوئی حد نہیں تھی۔ جو شخص اپنی بیوی کو تنگ کرنا چاہتا وہ اسے طلاق دیتا پھر مدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کر لیتا۔ پھر طلاق دیتا پھر رجوع کر لیتا جب تک وہ چاہتا یہ سلسلہ جاری رہتا۔[۱] اس طرح عورت شوہر والی ہونے کے باوجود مطلقہ کی زندگی گزارنے پر مجبور ہوتی۔ قرآن نے کہا طلاق صرف دو بار دی جا سکتی ہے اسی میں آدمی کو رجوع کا حق ہوگا۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ	طلاق (رجعی) دو بار ہے۔ پھر یا تو عورت
بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ	کو معروف طریقہ سے رکھ لیا جائے یا بھلے طریقہ

[۱] اس کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ تفسیر ابن کثیر ۱/ ۲۷۱ - ۲۷۲

بِاِحْسَانٍ (البقرہ:۲۲۹) سے رخصت کر دیا جائے۔

تیسری بار طلاق دی تو رجوع کا حق ختم ہو جائے گا اور بیوی جدا ہو جائے گی۔

۲۔ دوسرا اقدام اسلام نے یہ کیا کہ اس کی ایک مدت مقرر کر دی تاکہ آدمی عورت کو پریشان کرنے کے لیے ان تین طلاقوں کو لمبے لمبے وقفہ سے استعمال نہ کرنے پائے۔ یہ مدت تین حیض ہے۔ ارشاد ہوا:۔

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ (البقرہ:۲۲۸) — جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہے وہ اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں۔

ایک اور جگہ مردوں کو ہدایت کی کہ وہ طلاق دیں تو اس کا حساب رکھیں۔ یہ کوئی کھیل نہیں کہ آدمی جب چاہے طلاق دے بیٹھے اور اسے یہ بھی نہ معلوم ہو کہ کب طلاق دی اور کب اس کی عدت ختم ہوتی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ (الطلاق:۱) — اے نبی جب تم لوگ عورتوں کو طلاق دو تو ان کو عدت پر طلاق دو اور عدت کا حساب رکھو۔

جن عورتوں کو کم سنی، کبرسنی یا اور کسی وجہ سے حیض نہ آئے ان کی مدت تین مہینے ہے اگر بیوی حاملہ ہے تو وضع حمل اس کی مدت سمجھی جائے گی۔

وَالّٰٓئِيْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَّالّٰٓئِيْ لَمْ يَحِضْنَ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ۔ (الطلاق:۴) — اور تمہاری جو عورتیں حیض سے مایوس ہو چکی ہوں، اگر تمہیں ان کے بارے میں شبہ ہو تو (تمہیں معلوم ہونا چاہیے) کہ ان کی عدت تین ماہ ہے اور یہی حکم ان عورتوں کا ہے جنھیں ابھی تک حیض نہیں آیا ہے اور جن عورتوں کے حمل ہو ان کی عدت یہ ہے کہ ان کا وضع حمل ہو جائے۔

حالت حیض میں طلاق نہ دی جائے

حدیث میں حالت حیض میں طلاق دینے سے منع کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ واضح ہے حیض کے دوران عورت کے اندر وہ نشاط اور تازگی نہیں رہتی جو عام حالت میں ہوتی ہے اور کبھی کبھی ایک طرح کا چڑچڑا پن پیدا ہو جاتا ہے اس میں اس کا امکان ہے کہ عورت کی کوئی بات مرد کو ناگوار گزرے اور وہ طلاق دے بیٹھے اس مدت میں بیوی سے تعلق نہیں رکھا جاسکتا اس لیے عورت کی کمزوریوں کو برداشت کرنے کی جگہ کوئی سخت قدم اٹھانا بعید از قیاس نہیں ہے۔ اس کے برخلاف طہر کی حالت میں جنسی تعلق کا امکان ہے اس لیے آدمی نفسیاتی طور پر اس کی غلطیوں کو معاف کرنے کے لیے بھی تیار رہتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حیض کی حالت میں بیوی کو طلاق دے دی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رجوع کا حکم دیا اور فرمایا جب وہ حیض سے پاک ہو جائے تو حالت طہر میں ہم بستری کیے بغیر طلاق دیں۔ (تاکہ یہ یقین ہو کہ حمل نہیں ہے)[1]

طلاق کا مسنون طریقہ

حدیث میں طلاق کا طریقہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ آدمی حالت طہر میں ہم بستری کیے بغیر ایک طلاق دے۔ دوبارہ جب عورت حیض سے فارغ ہو جائے تو ہم بستری کے بغیر ہی دوسری مرتبہ طلاق دے، پھر سہ بارہ اسی طرح حیض کے ختم ہونے کے بعد طلاق دی جائے۔

اگر عورت کو حیض نہ آرہا ہو تو ایک ایک ماہ کے وقفہ سے ایک ایک طلاق دی جائے گی

اگر عورت حاملہ ہے تو ہم بستری کے بعد بھی طلاق ہو سکتی ہے۔

عدت کے دوران عورت شوہر کے گھر رہے گی

۳۔ طلاق کے بعد جب تک عدت پوری نہ ہو جائے عورت شوہر ہی کے گھر میں رہے گی الّا یہ کہ اس سے کوئی بے حیائی کا فعل سرزد ہو اور ساتھ رہنا مشکل ہو جائے۔ فرمایا۔

لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ — زمانہ عدت میں ان عورتوں کو ان کے

---

[1] اس واقعہ کی تفصیلات صحاح کی سب ہی کتابوں میں موجود ہیں

وَلَا یَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَۃٍ مُّبَیِّنَۃٍ (الطلاق: ۱)	گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں الایہ کہ وہ کسی صریح بے حیائی کا ارتکاب کریں۔

اس کی ایک مصلحت یہ ہے کہ ایک گھر میں ساتھ رہنے کی وجہ سے مرد کو اپنے فیصلہ پر اور عورت کو اپنے رویہ پر غور و فکر کرنے اور سوچنے کا موقعہ ملے گا اس طرح تعلقات کی بحالی کی کوئی صورت نکل سکے گی۔

رجوع کا حق اور اس کا طریقہ

ایک یا دو طلاق دینے پر عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کا حق ہے۔ اگر صریح الفاظ میں رجوع ہو تو اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ رجوع ہو جائے گا۔ احناف کے نزدیک ہم بستری بوس و کنار وغیرہ بھی رجوع کے ہم معنی ہے۔ بعض ائمہ نے رجوع پر گواہوں کی موجودگی کو ضروری قرار دیا ہے لیکن احناف اسے صرف مستحب اور پسندیدہ کہتے ہیں۔

کسی نے ایک یا دو طلاق دی اور عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع نہیں کیا تو بیوی جدا ہو جائے گی۔ وہ اگر دوبارہ اس سے ازدواجی تعلق قائم کرنا چاہے اور بیوی بھی اس کے لیے آمادہ ہو تو نئے مہر کے ساتھ دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے بیوی انکار کر دے تو وہ زبردستی نہیں کر سکتا۔

اگر کوئی شخص تیسری مرتبہ طلاق دے دے تو بیوی سے اس کا تعلق ختم ہو جائے گا۔ اب اس سے نکاح کی صورت صرف یہ ہے کہ کسی دوسرے شخص سے اس عورت کے نکاح کے بعد پھر طلاق ہو جائے یا وہ انتقال کر جائے اور دونوں دوبارہ نکاح کے لیے تیار ہو جائیں۔

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا	اگر مرد عورت کو (تیسری بار) طلاق دے دے تو وہ اس کے لیے حلال نہ ہوگی جب تک کہ وہ کسی دوسرے شوہر سے نکاح نہ کر لے۔ اگر دوسرا شوہر اسے طلاق دے دے اور پہلا شوہر اور وہ دونوں سمجھیں کہ وہ

حُدُوْدَ اللّٰہِ ؕ وَ تِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰہِ یُبَیِّنُہَا لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۝ (البقرہ: ۲۳۰)

اللہ کے حدود کو قائم رکھ سکیں گے تو ان کے لیے ایک دوسرے کی طرف رجوع کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ یہ اللہ کے قائم کردہ حدود ہیں انھیں وہ جاننے والوں کے لیے بیان کرتا ہے۔

اس طرح تین طلاق کے بعد رجوع بہت مشکل ہے، انسان کی طبیعت بھی شاید بخوشی اس کے لیے تیار نہیں ہوتی۔ یہ صورت اس لیے رکھی گئی کہ تین طلاق دینے سے پہلے آدمی اچھی طرح سوچ لے کہ اب رجوع آسان نہیں ہے۔ عورت ہمیشہ کے لیے جدا ہو سکتی ہے۔

طلاق میں بے احتیاطی اور اس کی اصلاح کا طریقہ

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ اگر کوئی شخص تین طہر میں یا ایک ایک مہینہ کے وقفہ سے تین طلاق نہ دے بلکہ ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دے ڈالے تو کیا اسے رجوع کا حق حاصل ہوگا یا یہ طلاقیں بائن سمجھی جائیں گی اور اسے رجوع کا حق حاصل نہ ہوگا۔

عام فقہاء کے نزدیک یہ طلاقیں بائن ہوں گی اور رجوع کا حق باقی نہیں رہے گا۔ اہل حدیث حضرات اسے طلاق رجعی مانتے ہیں۔ یہ ایک قانونی بحث ہے۔ اتنی بات سب کے نزدیک طے ہے کہ یہ غیر مسنون طریقہ ہے۔ فقہ حنفی میں اسے طلاق بدعت کہا گیا ہے کہ آدمی ایک ہی مجلس میں یا ایک ہی طہر میں تین طلاق دے۔ احناف کے نزدیک احسن طریقہ یہ ہے کہ آدمی طلاق کا فیصلہ کرے تو صرف ایک طلاق دے کر چھوڑ دے اگر عدت گزر جائے تو اس میں کم سے کم از سرنو نکاح کے ذریعہ دونوں مل سکتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ صحابہ کرام ایک طلاق سے زیادہ نہیں دیتے تھے۔

ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں بالعموم وقتی غم و غصہ یا کسی ناگواری کی وجہ سے دی جاتی ہیں اس کے پیچھے کوئی سوچا سمجھا فیصلہ نہیں ہوتا۔ اس غلط اور ہنگامی اقدام کے سنگین نتائج سامنے آتے ہیں اور آدمی اچانک اپنا گھر اجڑتا ہوا دیکھتا ہے تو افسوس کرنے لگتا ہے۔ سنت نے طلاق کا جو طریقہ بتایا ہے اس پر عمل ہو تو محض عجلت

اور جلد بازی سے جو پیچیدگیاں پیدا ہو جاتی ہیں وہ پیدا نہیں ہوں گی۔ طلاق بعض اوقات ناگزیر ہو جاتی ہے۔ اسلام نے اس کا بہترین طریقہ بتایا ہے۔ اسے عام کرنے اور اس کی تربیت دینے کی ضرورت ہے۔ اس سے وہ تمام اعتراضات از خود رفع ہو جاتے ہیں جو اس موضوع پر کئے جاتے ہیں۔